رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۳۹۸

سلسلہ کا سب سے پہلا مشہور و معروف اخبار جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ایک بازو قرار دیا

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ

چہ گویم با تو گر آئی چہا در قادیاں بینی
دوا بینی شفا بینی غرض دار الاماں بینی

الحکم

ہفتہ وار
قادیان
دورِ جدید

بیا در بزمِ مستاں تا بہ بینی عالمے دیگر
بہشتے دیگر و ابلیس دیگر آدمے دیگر

مدیر اعلیٰ: شیخ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی
مدیر مسئول: شیخ محمود احمد عرفانی مجاہد مصری

۷، ۱۴، ۲۱، ۲۸ تاریخ کو خدا کے فضل سے شائع ہوتا ہے
قیمت فی پرچہ ۲/

جلد ۳۹ — ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۳۶ء یوم دوشنبہ — نمبر ۳۰

پروگرام جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ قادیان بابت ۱۹۳۶ء

بروز ہفتہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۶ء

پہلا اجلاس

وقت	مضمون	لیکچرار
۹½ سے ۹¾ تک	تلاوت قرآن مجید۔	
۹¾ سے ۱۰½ تک	افتتاحی تقریر	حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ
۱۰½ سے ۱۰¾ تک	نظم۔	
۱۰¾ سے ۱۱½ تک	معجزات ہستی باری تعالیٰ	جناب پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔ اے
۱۱½ سے ۱۲½ تک	فلسفہ طریق نماز اسلامی	جناب ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب ڈی۔ ڈی۔ ایل ایل ڈی سابق مبلغ امریکہ

نماز ظہر و عصر

دوسرا اجلاس

وقت	مضمون	لیکچرار
۲ سے ۲½ تک	تلاوت قرآن کریم و نظم	
۲½ سے ۳½ تک	اچھوت اقوام کی موجودہ بیداری سے جماعت احمدیہ کس طرح فائدہ اٹھا سکتی ہے	الحاج مولوی عبد الرحیم صاحب نیر مبلغ مغربی افریقہ
۳½ سے ۴½ تک	قرآن مجید میں نسخ کے عقیدہ کا ابطال۔	جناب مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ۔
۴½ سے ۵½ تک	سکھوں کے لئے مسلمانوں سے اتحاد مفید ہو سکتا ہے یا ہندوؤں سے؟	جناب سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور۔

بروز اتوار ۲۷ دسمبر ۱۹۳۶ء

پہلا اجلاس

وقت	مضمون	لیکچرار
۹½ سے ۱۰ تک	تلاوت قرآن کریم و نظم	
۱۰ سے ۱۱ تک	حضرت مسیح موعودؑ کے اثر کی وجہ سے مسئلہ وفات مسیح کے بارہ میں لوگوں کے خیالات میں نمایاں تغیر	جناب مولوی محمد یار صاحب عارف فاضل (مبلغ انگلستان)
۱۱ سے ۱۲ تک	آنحضرت صلعم کی وہ پیشگوئیاں جو حضرت مسیح موعود کی آمد سے پوری ہوچکی ہیں۔	جناب مولوی غلام رسول صاحب فاضل راجیکی (مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ)
۱۲ سے ۱ تک	آنحضرت صلعم کے وہ فضائل جن میں آپ منفرد ہیں۔	جناب مولوی ابو العطاء صاحب فاضل (مبلغ بلاد عربیہ)

نماز ظہر و عصر

دوسرا اجلاس

وقت	مضمون	لیکچرار
۲ سے ۲½ تک	تلاوت قرآن مجید و نظم	

تین بجے سے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کی تقریر شروع ہوگی

بروز پیر ۲۸ دسمبر ۱۹۳۶ء

پہلا اجلاس

وقت	مضمون	لیکچرار
۹½ سے ۱۰ تک	تلاوت قرآن کریم و نظم	
۱۰ سے ۱۱ تک	وابستگان خلافت کی شکران خلافت پر فضیلت۔	جناب ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔
۱۱ سے ۱۲ تک	محمدی بیگم کی پیشگوئی پر ایک نظر	جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر تعلیم و تربیت۔
۱۲ سے ۱ تک	حالات تبلیغ جزائر شرق الہند	جناب مولوی رحمت علی صاحب فاضل مبلغ جاوا۔

نماز ظہر و عصر

دوسرا اجلاس

وقت	مضمون	لیکچرار
۲ سے ۲½ تک	تلاوت قرآن مجید و نظم	

تین بجے سے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی تقریر شروع ہوگی

عبد المغنی خاں ناظر دعوۃ و تبلیغ سلسلہ عالیہ احمدیہ قادیان دار الامان

قارئین الحکم کو عید مبارک

رسالہ تعلیم الدین

مولوی حکیم عبد اللطیف صاحب نے مولانا ابو العطاء جالندھری سابق مبلغ بلاد عربیہ کی نگرانی میں رسالہ تعلیم الدین جاری کر کے پبلک پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ یہ رسالہ ہر اس شخص کے لئے جو قرآن کریم۔ احادیث اور دیگر علوم دین کی گھر بیٹھے تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہو ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ تین نمبر ہماری نظر سے گذرے ہیں۔ جن کو دیکھ کر مجھے محسوس ہوا ہے کہ اس رسالہ نے جماعت کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ میں ہر اس شخص سے پُر زور سفارش کرتا ہوں جو گھر بیٹھے علوم دینیہ سیکھنا چاہے اس رسالہ کو خریدے

پتہ۔ حکیم عبد اللطیف گجراتی قادیان

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ محمود احمد صاحب عرفانی پرنٹر و پبلشر چھپ کر دفتر الحکم قادیان سے شائع ہوا ہے

شرح درثمین فارسی

از جناب قریشی محمد صادق صاحب شبنم بی۔اے (امرتسری)

(گذشتہ سے پیوستہ)

ذاتِ او بے چون و چند افتاد است
وز حدود و قیود آزاد ست

اُس کی ذات بے مثل و بے نظیر واقع ہوئی ہے۔ اور حدود و قیود سے آزاد ہے۔

ماسوا کی ہر ایک چیز کے لئے شش جہات میں سے اپنے محل وقوع کے لحاظ سے کوئی نہ کوئی جہت یا طرف متصور ہے۔ کسی چیز کا جب محل وقوع بتانا مقصود ہو تو کسی معلوم چیز سے اس کی جہت بتا کر پتہ دیا جاتا ہے۔ مگر خدا چونکہ ہر جگہ موجود ہے اس لئے اُس کی کوئی جہت نہیں ہو سکتی۔ وفات و حیات مسیح کے متعلق جب احمدیوں اور غیر احمدیوں کے مابین مباحثہ ہوتا ہے۔ تو غیر احمدی اپنے دعویٰ کی تائید میں آیت ورافعک الیّ پیش کر کے کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اسی جسم عنصری کے ساتھ چوتھے آسمان پر بیٹھے ہیں۔ جب اُن کو آیت کے معنے کر کے سمجھایا جاتا ہے کہ یہاں تو خدا کا حضرت عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھانا ثابت ہے۔ اور خدا کی کوئی جہت یا سکونت مقرر نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ خدا اپنے متعلق قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اللّٰہ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تو وہ کبھی تو لاچار ہو کر اپنے مقابل کا منہ تکنے لگ جاتے ہیں۔ اور کبھی جھاگ منہ میں لا کر غم و غصہ کا اظہار کرتے ہیں۔ اور بزبان حال کہتے ہیں کہ یہ ناقابل برداشت ہے۔ کہ خدا نے ہماری مرضی اور خواہش کے خلاف اپنی آیتیں نازل فرمائی ہیں۔ کیونکہ اُن کی خواہش یہ ہے کہ ضد اور تعصب کی وجہ سے خدا کو محدود کر کے۔ اور اس کے لئے جہت مقرر کر کے چوتھے آسمان پر بٹھا دیں۔ لیکن وہ احمق یہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح خدا کی ذات پر نعوذ باللہ کئی قسم کے اعتراضات عاید ہوں گے۔ اور قرآن شریف کی نعوذ باللہ کئی آیات غلط ثابت ہوں گی۔ اگر خدا اور حضرت عیسیٰؑ دونوں کو چوتھے آسمان پر بیٹھا ہوا تسلیم کر لیا جائے تو خدا کی مکانیت ماننی پڑے گی۔ اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا مثیل ماننا پڑے گا۔ حالانکہ خدا لامکان ہے۔ اور بے مثل و بے نظیر ہے۔ خداوند تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو ہدایت دے۔ اور اُن کی آنکھیں کھولے تاکہ وہ ضد اور تعصب کو چھوڑ کر صداقت کے قائل بنیں۔ آمین

نہ وجود سے بذاتِ او انباز
نہ کسے در صفاتِ او انباز

نہ کوئی ذات میں اس کا شریک ہے اور نہ صفات میں۔

شرک دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ ایک سے زائد خدا مانے جائیں۔ دوسرے یہ کہ گو خدا کو ایک تسلیم کیا جائے لیکن غیر اللہ میں سے کسی کو اُس کی صفات میں مثیل یا نظیر مانا جاوے مثلاً یہودیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عزیر نعوذ باللہ خدا تھے۔ یا مسیحیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت مسیح ناصری خدا کے بیٹے اور خدا ہیں۔ تو یہ اول قسم کا شرک ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ مردے زندہ کر سکتے تھے۔ یا پرندے بنا کر اُن میں رُوح ڈال دیتے تھے یا کوئی ایسے عجیب الخلقت دجال کا ظہور ہو گا۔ جو بارش برسانے سمندر سے بخارات اٹھانے۔ دوزخ اور جنت میں داخل کرانے کی قدرت رکھتا ہوگا۔ تو چونکہ یہ صفات صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ لہٰذا یہ دوسری قسم کا شرک ہوگا۔

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اس قسم کے عقاید رکھنا شرک ہے۔ خدا صرف ایک ہے۔ اور اپنی صفات میں لاثانی اور بے نظیر ہے۔

ہمہ پیدا از دستِ قدرتِ او
کثرتِ شان گواہِ وحدتِ او

ہر ایک چیز اُس نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کی ہے اور ان اشیاء کی کثرت ثبوت ہے اس بات کا کہ ان کا پیدا کرنے والا ایک ہے۔

اس شعر کی کسی قدر تشریح دوسرے شعر کی ذیل میں آگئی ہے یعنی اگر خدا ایک نہ ہوتا۔ ایک سے زیادہ ہوتے تو ہر ایک دوسرے کو حریف جانکر اُس کے بنائے ہوئے کام کو بگاڑتا اور ہر ایک خدا صرف اتنی تخلیق کرتا جس کو وہ آسانی سے دوسرے کی دست برد سے بچا سکتا۔ اور دفاعی انتظامات کے وقت وہ مزید توسیع نہ کر سکتا۔ اور ساتھ ہی دوسرے خدا کی ملکیت کی تخریب کے درپے ہوتا۔ ان حالات میں ناممکن تھا کہ اشیاء اس قدر ہوتیں یا لامحدود وسعت میں پھیلی ہوئی ہوتیں۔ الغرض ان کی کثرت شاہد ہے خدا کی واحدانیت پر۔

گر شریکش بُدے ز خلق دگر
گشتے ایں جملہ خلق زیر و زبر

اگر مخلوق میں سے کوئی اُس کا شریک ہوتا۔ تو تمام مخلوق زیر و زبر ہو جاتی۔

یہ شعر گذشتہ شعر کی تشریح کرتا ہے۔

ہر چہ از وصفِ خاکی و خاکست
ذاتِ بیچون او ازاں پاکست

جو چیز خاکی صفت رکھتی ہو یا خاک سے پیدا ہو۔ خدا کی ذات اس کی شرکت سے پاک ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان اشعار کے کہنے کے وقت کاتب التعلیب کے ذہن میں خاص طور پر الوہیت مسیح کی تردید تھی۔ مسیح کو خدا ماننے والے اگر یہ عقیدہ رکھتے ہیں (جیسا کہ وہ دراصل رکھتے ہیں) کہ خدا نور ہے۔ (God is Light) تو یہ آسان نکتہ کیونکر اُن کی سمجھ میں نہیں آتا کہ مسیح ناصری کی پیدائش ایک خاکی مخلوق سے ہوئی تھی۔ لہٰذا وہ خاکی تھے۔ اور خاکی انسان خدا نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح تمام ان لوگوں کے لئے جو کسی انسان کو خدا کا درجہ دیتے ہیں یہی ایک نکتہ کافی ہے۔ کہ ہر خاکی صفت مخلوق کی نظیر مل سکتی ہے۔ اور خدا بے مثل و بے نظیر ہے۔ اس لئے لا الٰہ الا اللہ۔ نہیں کوئی معبود مگر اللہ۔

بند بر پائے ہر وجود نہاد
خود ز ہر قید و بند ہست آزاد

اس نے ہر وجود کو قانون کے بند میں اسیر کیا ہے لیکن وہ خود ہر قسم کی قید اور بند سے آزاد ہے۔ ع

ذرہ ذرہ دہر کا زندانیٔ تقدیر ہے

خدا مالک ہے۔ اور اس لئے آمر۔ اور جو چاہتا ہے اپنی مخلوق سے کرواتا ہے۔ مخلوق مملوک ہے اور اس لئے مامور و مجبور۔ اور جو قانون اس کے لئے مقرر ہے اس کا پابند۔ اپنی مرضی سے یہ اپنے کام کو چھوڑ نہیں سکتی۔ لیکن خدا سب کچھ کر سکتا ہے۔ آگ مجبور ہے کہ جلانے کا کام کرے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے خدا کا حکم ملتا ہے۔ کہ اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا۔ تو وہ گلزار بن جاتی ہے۔ کون اُس سے پوچھ سکتا ہے کہ تو نے آگ سے ایسا کام کیوں کروایا۔ اور آگ کی کیا مجال کہ اپنے پیدا کرنے والے کے حکم سے سرتابی کرے۔

ذیل کے چند اشعار اس شعر کی تشریح کرتے ہیں۔

آدمی بندہ ہست و نفسش بند
در دو صد حرص و آز سر بکمند

آدمی بندہ ہے۔ اور اُس کا نفس قیدی۔ سینکڑوں طمعوں اور خواہشات میں پھنسا ہوا۔ یعنی اگر انسان چاہے۔ کہ میں اپنے نفس کو حرص و آز کی کمند سے آزاد کر دوں۔ اور اس کو اس قابل بنا دوں۔ کہ اس کو کسی قسم کی خواہش اور حاجت نہ رہے۔ اور اس طرح اس کو بے نیازی حاصل ہو جائے تو وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ مجبور و معذور ہے۔ قانون الٰہی یہی ہے کہ وہ نیاز مند رہے۔

(باقی آئندہ)

مہاشہ فضل حسین صاحب مہاجر بعارضہ فالج بیمار ہیں۔ احباب ان کی صحت کیلئے دعا فرماویں

خطبہ جمعہ

تحریکِ جدید کے تیسرے سال کا یکم دسمبر ۱۹۳۶ء سے آغاز

خدا چاہتا ہے کہ وہ اپنی قربان گاہ پر مسیح محمدی کے بڑوں کی قربانی کرے

قربانی ہی وہ راہ ہے جس سے لوگ اپنے خدا تک پہونچتے ہیں

از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

فرمودہ ۲۷ نومبر ۱۹۳۶ء

الحکم میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کے خطبات شائع کرنے کا کوئی انتظام نہیں۔ اس لئے حضور کے خطبات جلد سے جلد معاصر الفضل کے ذریعہ پبلک کے ہاتھ میں پہنچ جاتے ہیں۔ مگر آج کا خطبہ میں الفضل سے لیکر الحکم میں شائع کرتا ہوں کہ یہ خطبہ ایک خاص شان رکھتا ہے۔ کئی ایک دوست ایسے ہیں جو الفضل خرید نہیں سکتے۔ اور وہ دوسرے جرائد میں شریک ہیں۔ ان کے لئے اس طرح یہ نعمت میسر آسکے گی۔ نیز اس کی زیادہ سے اشاعت ہو سکے۔ اور اس طرح تحریک جدید کے سال سوم کی آواز بلند کرنے میں الحکم بھی شریک ہو سکے۔

یہ خطبہ آب حیات کا ایک پیالہ ہے جسے ہر دیندار اور مومن کے لئے بطور تحفہ رمضان پیش کیا جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

باوجود طبیعت کی ناسازی اور بخار کے میں نے آج جمعہ کا خطبہ اس لئے کہنے کا ارادہ کیا ہے کہ تحریکِ جدید کے سال سوم کی تحریک کا اعلان کرسکوں۔ آج سے دو سال پہلے جب میں نے تحریک جدید کی ابتداء کی تھی۔ اس وقت کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ تحریک آئندہ کیا رنگ اختیار کرنے والی ہے۔ شائد آج بھی بہت سے لوگ اس کے نتائج سے ناواقف ہوں گے لیکن میں جانتا ہوں کہ درحقیقت یہ تحریک الٰہی تصرف کے ماتحت ہوئی تھی ہماری جماعت ان سہولتوں کی وجہ سے جو مؤلفۃ القلوب کے حق میں خدا تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں۔ اُس بیداری اور قربانی سے محروم ہوتی جا رہی تھی جس کے بغیر کوئی روحانی قوم کامیاب نہیں ہوسکتی۔ درحقیقت ہمارے کام ایک منظم انجمن کی صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ جس کا کام لوگوں سے کچھ رقوم حاصل کرنا اور انہیں بعض تمدنی یا علمی ضرورتوں پر خرچ کرنا ہوتا ہے۔ اور وہ اصل غرض یعنی اپنے دل کو خدا کی محبت میں فنا کر دینا۔ اور دنیا میں ہوتے ہوئے اُس سے جدا رہنا۔ اور دنیا کماتے ہوئے دین میں ترقی کرنا۔ اور بنی نوع انسان میں رہتے ہوئے خدا کے قریب رہنا۔ اور جسمانی سانس لیتے ہوئے اپنے اُوپر ایک موت وارد کرلینا۔ اور اپنے قدم ہمیشہ اطاعت کے لئے بڑھاتے چلے جانا۔ اس کی طرف سے غفلت پیدا ہو رہی تھی تب خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس کی رحمت اور اس کا فضل زمین پر نازل ہو۔ اور اس کام میں زندگی پیدا کرے جسے خدا تعالیٰ دنیا میں جاری کرنا چاہتا تھا جس طرح بچوں کے لباس سے بڑوں کے لباس میں فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح مؤلفۃ القلوب والی حالت اور کامل حالت میں فرق ہوتا ہے۔ بچے کبھی ننگے بھی پھر لیتے ہیں۔ اور کبھی کپڑے بھی پہن لیتے ہیں۔ نہ اُن کی ایک حالت کو لوگ بُرا کہتے ہیں۔ نہ اُن کی دوسری حالت کو قابلِ ملامت قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح رُوحانیت کی ابتدائی حالتوں میں الٰہی جماعتوں کو کچھ سہولتیں دی جاتی ہیں۔ یہانتک کہ وقت آجاتا ہے کہ کمزور اور طاقتور میں امتیاز کیا جائے۔ اور منافق اور مومن میں فرق کیا جائے۔ تب خدا کی مشیت ان سہولتوں کو واپس لے لیتی ہے۔ اور دین اپنی کامل شان کے ساتھ دنیا میں قائم کر دیا جاتا ہے قرآن کریم تمام کمالات کی جامع کتاب ہے۔ اور اس کا نازل کرنے والا کوئی بندہ نہیں ہے بلکہ علام الغیوب خدا ہے۔ جس کے علم میں ہر شے خواہ ماضی خواہ حال خواہ مستقبل غرض کسی زمانہ سے بھی تعلق رکھتی ہو۔ محفوظ ہے۔ اس کے لئے ابد بھی وہی حیثیت رکھتا ہے جو ازل۔ نہ اس کے لئے کوئی گذشتہ زمانہ ہے۔ نہ آئندہ ہے۔ ہر چیز اس کی

نظر کے سامنے حاضر ہے۔ خواہ وہ ہو چکی اور گذر گئی۔ اور خواہ وہ آئندہ ہونے والی اور پوشیدہ ہے۔ اُس کے لئے کیا مشکل تھا کہ سارا کا سارا قرآن کریم ایک ہی وقت میں نازل فرما دیتا۔ اُسے نہ سوچنے کی ضرورت تھی نہ تدبر کی۔ نہ تصنیف میں اس کا کوئی وقت صرف ہوتا تھا کہ اُس نے قرآن کریم کو آہستہ آہستہ ۲۳ سال کی مدت میں اُتارا؟ اس میں یہی حکمت تھی کہ آہستہ آہستہ تعلیم اُترے۔ اور ایمان کی پہلی حالتوں میں مومنوں پر یکدم بوجھ نہ پڑ جائے۔ دو دو چار چار آیتوں پر مومن عمل کرتے گئے۔ جب ان کے عادی ہو گئے تو پھر اور آئتیں نازل ہو گئیں۔ حکم پر حکم ہدایت پر ہدایت۔ فرمان پر فرمان نازل ہوتا گیا۔ یہانتک کہ وہ دن آگیا جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک وسیع مجمع میں حج کے ایام میں ایک اونٹنی پر سوار ہو کر دنیا کو یہ خوشخبری سنائی کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی میں آج تمہارے دین مکمل کر دیا ہے۔ اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے۔ گویا یہ اس امر کا اعلان تھا۔ کہ مومنوں کے ایمان پختہ ہو گئے۔ ان کے روحانی جسم کی ہڈیاں مضبوط ہو گئیں۔ اور کمر قوی ہو گئی۔ تب خدا تعالیٰ نے اپنی امانت کا سارا بار انسان کی پیٹھ پر لاد دیا۔ کیونکہ ایک لمبے امتحان کی زندگی میں سے گذر کر انسان نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ بوجھ جس کو اٹھانے سے پہاڑ بھی لرزتے تھے۔ وہ ظلوم وجہول بنکر اور عاشقانہ جوش کے ساتھ اس بوجھ کو اپنی پیٹھ پر اٹھا لینے کے لئے تیار ہو گیا تھا شاید بعض لوگ خیال کریں۔ کہ اس لمبے عرصہ میں قرآن کریم کے اترنے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ کئی صحابہؓ جو اخلاص میں زندہ رہنے والوں سے کم نہ تھے خدا کی راہ میں شہید ہو گئے۔ اور کامل کتاب کے دیکھنے کا ان کو موقع نہ ملا۔ اور شاید اس طرح ان کا ان کا ایمان نامکمل رہا۔ یہ اعتراض قرآن کریم میں بھی مذکور ہے۔ شاید آج بھی بعض لوگوں کے دلوں میں یہی خیال پیدا ہو۔ سو انہیں یاد رکھنا چاہئیے کہ ایمانی تکمیل دو راہوں سے ہوتی ہے۔ ایک عمل کے کمال کے ساتھ۔ اور ایک ایمان کے کمال کے ساتھ۔ جن لوگوں کو ایمانی کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ ان کے لئے عملی کمال ایک طبعی عمل ہو جاتا ہے اور وہ اس ایمانی کمال کے ماتحت اپنے اعمال کو بغیر خارجی تحریک کے آپ ہی آپ ایسے سانچے میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہوتا ہے اور اس کی قبولیت کو حاصل کرتا ہے۔ عملی تفصیلات درحقیقت کمزور انسانوں کی تقویت کے لئے ہوتی ہیں۔ اور کامل انسان شکر گذاری کے لئے ان پر عمل کرتا ہے۔ اور خدائی حکم کامل انسانوں سے اس لئے ان احکام پر عمل کرواتا ہے۔ تا کمزور انسان ان کی نقل کر کے عمل نہ چھوڑ دیں۔ پس گو عملی تفصیلات جاری ہوتی ہیں کامل اور کمزور دونوں پر۔ مگر ان کے اجراء کی حکمتیں دونوں صورتوں میں مختلف ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک موقع پر اس طرف توجہ دلائی۔ کہ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے گذشتہ و آئندہ ذنوب کو معاف فرما دیا ہے۔ آپؐ عبادات پر اتنا زور کیوں دیتے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا۔ کہ اے عائشہؓ الا اکون عبداً شکورا۔ کیا میں شکر گذار بندہ نہ ہوں۔ یعنی لوگ تو عمل اس لئے کرتے ہیں تا ان کی امداد سے کامل ہو جائیں۔ اور میں عمل اس لئے کرتا ہوں۔ کہ خدا نے جو مجھے کامل بنایا ہے۔ تو اس کا شکر ادا کروں۔ پس اس حدیث نے اعمال کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ خود قرآن کریم کی یہ آیت جسے حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا۔ اور جو روحانی اندھوں کے نزدیک ہمیشہ قابل اعتراض رہی ہے۔ اس کا بھی یہی مفہوم ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا نبی حصولِ کمال کے لئے عمل نہیں کرتا کیونکہ عملوں نے جو کچھ پیدا کرنا تھا وہ تو خدا نے خود ہی اس کے لئے پیدا کر دیا۔ اب وہ جو کچھ کرتا ہے اظہار شکر کے طور پر کرتا ہے:

اس مسئلہ کی وضاحت اس امر سے بھی ہو جاتی ہے کہ نبی۔ نبی پہلے بنتا۔ اور شریعت پر بعد میں عمل کرتا ہے۔ اور عام مومن عمل پہلے کرتا ہے۔ اور روحانی درجے اُسے بعد میں حاصل ہوتے ہیں۔ پس یہ اعتراض کہ وہ صحابہؓ جو اس عرصہ میں فوت ہو گئے کیا ان کے درجے کی تکمیل نہ ہوئی۔ کیونکہ کامل شریعت ان کے زمانہ میں نہیں اُتری تھی اس حقیقت سے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں دُور ہو جاتا ہے۔

یہ امر واضح ہے کہ وہ لوگ جو خدا کی راہ میں مارے گئے۔ وہ کمال کو کمالِ ایمان سے حاصل کر چکے تھے۔ اور ان کا دل شدتِ ایمان سے وہ سب کچھ حاصل کر چکا تھا۔ جو تفصیلی احکام سے دوسروں نے حاصل کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مُردہ کہنے سے روکا ہے۔ اور انہیں دائمی زندہ قرار دیا ہے۔ یعنی ان کی حالت وفات کے ساتھ ایک جگہ پر قائم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ ان کی تکمیل اسی طرح ہوتی چلی جاتی ہے۔ جس طرح اس دنیا میں رہ کر عمل صالح کرنے والوں کی

غرض انسانی ترقی کے لئے خاص قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن انسانی کمزوری ابتداء میں بعض سہولتوں کی بھی طالب ہوتی ہے۔ اس امر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ تکمیلِ شریعت ایک دن میں ہی نہیں کرتا۔ بلکہ ایک لمبے عرصہ میں احکام کے سلسلہ کو ختم کرتا ہے۔ یہ تو ان لوگوں کی حالت ہے۔ جو اُن انبیاء کے زمانہ میں ہوتے ہیں جن پر خدا تعالیٰ شریعت نازل کرتا ہے۔ جو انبیاء بغیر شریعت کے آتے ہیں۔ اور جو پہلی کتابوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ یعنی اُن کے مضامین کو دنیا میں قائم کرتے ہیں۔ اُن کی جماعتوں کی کمزوری کا اللہ تعالیٰ ایک اور طرح لحاظ کر لیتا ہے۔ چونکہ شریعت تو پہلے سے مکمل ہوتی ہے۔ احکام کے متعلق تو ان سے کوئی سہولت نہیں کی جا سکتی۔ پس مجاہدات اور قربانیوں میں اُن سے سہولت کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ اُن پر بوجھ لادا جاتا ہے۔ یہانتک کہ وہ دن آجاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُن کے سامنے یہ شرط پیش کر دیتا ہے کہ یا کلّی طور پر اپنے آپ کو میرے سپرد کر دو یا مجھ سے بالکل جُدا ہو جاؤ۔ جس قدر مُہلت تمہارے لئے ضروری تھی۔ وہ میں دے چکا۔ اب میری رحمت اپنے فضلوں کی تکمیل کے لئے بیتاب ہو رہی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تمہیں چُن لوں۔ اور اسی طرح چُن لوں جس طرح کہ تم سے سابق جماعتوں کو چُنا تھا۔ اور تمہارے دلوں کو اپنے غیر کی محبت سے صاف کر دوں۔ خواہ وہ وطن کی محبت ہو۔ خواہ وہ اولاد کی محبت ہو۔ خواہ وہ بیویوں کی محبت ہو۔ خواہ وہ آسائش کی محبت ہو۔ خواہ وہ کھانے پینے کی محبت ہو۔ خواہ وہ پہننے کی محبت ہو۔ خواہ ماں باپ کی محبت ہو۔ خواہ عزت و رتبہ کی محبت ہو۔ خواہ مال کی محبت ہو۔ جو شخص اس مطالبہ کو پورا کرتا ہے۔ وہی خدا تعالیٰ کی برکتوں سے

حصّہ لیتا ہے۔ اور دوسرا شخص جو کمزوری دکھاتا اور شرطیں لگاتا ہے اُسے خدا کی درگاہ سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اُس کی پہلی روحانی حالت محض ایک نمونہ کے طور پر تھی۔ جس طرح ایک مٹھائی والا گاہک پیدا کرنے کے لئے تھوڑی تھوڑی مٹھائی لوگوں کو کھلاتا ہے۔ اور اس کے بعد امید کرتا ہے کہ لوگ اُسے پیسے دے کر خریدیں گے۔ اسی طرح ایسی جماعتوں کے ابتدائی فیوض اور ابتدائی مدارج بطور اس نمونہ کے ہوتے ہیں۔ جو مٹھائی فروش گاہک کو چکھاتا ہے۔ اور جسے پنجابی میں "ونڈگی" کہتے ہیں۔ جو شخص ساری عمر اسی طرح نمونہ کی مٹھائی لے کر کھانا چاہے۔ دوکاندار کبھی اُسے قریب بھی آنے نہیں دیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اُن اشخاص کو جو نمونہ دیکھ کر بھی چیز کی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے دھتکار دیتا۔ اور اپنی درگاہ سے نکال دیتا ہے۔ ہماری جماعت کے ہر فرد نے جس نے اخلاص اور تقویٰ کے ساتھ احمدیت کو قبول کیا ہو۔ اپنے نفس میں تجربہ کیا ہو گا۔ کہ احمدیت کے قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پہ خاص فضل نازل فرمایا۔ اور رُوحانیت کی بعض کھڑکیاں اس کے لئے کھول دیں۔ تمام احمدیوں کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ حالت ان کی وہ نمونہ تھی جو خدا تعالیٰ نے اس لئے ان کے سامنے پیش کیا۔ تا انہیں روحانی عالم کی قیمت معلوم ہو جائے۔ اور وہ اس کی لذت سے آشنا ہو جائیں۔ اب اگر وہ چاہتے ہیں کہ وہ مزا قائم رہے۔ اور وہ لذّت بڑھے۔ اور جس چیز کی لذّت سے ان کی زبان آشنا ہوئی تھی۔ اس سے ان کا معدہ بھی پُر ہو جائے۔ اور وہاں سے خون صالح پیدا ہو کر ان کے دماغ اور ان کے دل اور ان کے تمام جوارح کو طاقت بخشے۔ تو اس کے لئے انہیں وہی قیمت ادا کرنی ہو گی جو ان سے پہلے لوگوں نے ادا کی۔ اس کے بغیر کوئی راہ ان کے لئے کُھلی نہیں۔

قربانی ہی ایک راہ ہے جس سے لوگ اپنے یار تک پہونچتے ہیں۔ اور موت ہی وہ راستہ ہے جو ہمیں اپنے محبوب تک پہنچاتا ہے۔ پس اس موت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور ان اعمال کو اختیار کرو جو انسان کو موت کے لئے تیار کرتے ہیں۔ ہر کام کے کمال کے لئے ابتدائی مشق کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح کامل قربانی کے لئے نسبتاً چھوٹی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تحریک جدید کے پہلے دَور نے ان چھوٹی قربانیوں کی طرف جماعت کو بلایا ہے۔ اور وہ جو ان چھوٹی قربانیوں پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔ خدا تعالیٰ انہیں بڑی قربانیوں کے لئے توفیق عطا فرمائیگا۔ اور وہ خدا کے بکرے ہو جائیں گے جس طرح یسوعؑ اور موسیٰؑ اور داؤدؑ اور سلیمانؑ اور اور ہزاروں کامل بندے خدا کے بکرے قرار پائے۔ اور انہوں نے خدا کی محبت کی چُھری کو خوشی سے اپنی گردن پہ پھروا لیا دنیا کی تمام شوکتیں ان کے پاؤں پر قربان ہیں۔ دنیا کی تمام عزتیں ان کی خدمت پر قربان ہیں۔ دنیا کی تمام بادشاہتیں ان کی غلامی پر قربان ہیں۔ وہ خدا کے ہیں اور خدا ان کا ہے۔ آج ایک زندہ اور با جبروت اور قاہر اور جبّار اور منتظم بادشاہ کو گالی دے کر ایک انسان سزا سے بچ سکتا ہے۔ اس کی گرفت سے بھاگ سکتا ہے لیکن یہ لوگ جو انسانوں جیسے انسان تھے۔ اوّل تو فقیری میں انہوں نے عمر گذار دی اور اگر بادشاہ بھی ہوئے تو ان کی بادشاہتیں اپنی دنیوی عظمت کے لحاظ سے بہت سے دنیوی بادشاہوں سے کم تھیں۔ لیکن آج جبکہ وہ منوں مٹی کے نیچے دفن ہوئے ہیں۔ اور بعض کی نسلوں کا بھی کوئی پتہ نہیں ہے۔ اور بعض کی امتیں بھی مٹ چکی ہیں۔ کوئی زبردست سے زبردست بادشاہ بھی بے ادبی سے ان کا نام لے۔ تو وہ ذلت اور رسوائی سے بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ خدا میں محو ہو جانے کی وجہ سے خدا کی بادشاہت میں ان کی بادشاہت شامل ہے۔ اور جس طرح خدا کی بادشاہت کبھی فنا نہیں ہوتی۔ ان کی بادشاہت بھی کبھی فنا نہیں ہو سکتی۔

میں نے کہا تھا کہ یہ خدا کے بکرے ہیں۔ میں نے اس سے اس طرف اشارہ کیا تھا۔ کہ جس طرح ایک بکری کا گوشت اس کے ذبح ہو جانے کے بعد انسان کی غذا بن کر انسان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ خدا کے بکرے بن کر قربان ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی خدا میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور ابدی ازلی بادشاہت ان کو عطا کی جاتی ہے۔ شاید کسی کے دل میں یہ خیال گذرے۔ کہ ابدی بادشاہت تو سمجھ میں آسکتی ہے۔ مگر ازلی بادشاہت انہیں کس طرح حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ جب وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اور ان کو کوئی جانتا بھی نہ تھا تو انہیں بادشاہت کیونکر حاصل ہوئی ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پہ فرمایا ہے۔ کہ میں خاتم النبیّینؐ تھا جبکہ آدمؑ ابھی مٹی اور پانی میں ہی چھپا ہوا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں یہی حکمت بیان فرمائی ہے۔ کہ جو شخص خدا میں ہو جاتا ہے اس کو ازلی بادشاہت بھی عطا ہو جاتی ہے۔ اور اس کا ظاہری نشان یہ ہوتا ہے کہ اس کے آباؤ اجداد کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ حفاظت ملتی چلی آتی ہے۔ جس کی طرف قرآن کریم میں تقلبك فی السّاجدین کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے (یہاں ساجد کے معنے سجدہ کرنے والے اور نیک کے نہیں ہیں بلکہ فرمانبردار اور مطیع کے ہیں) اور دنیا کا تمام کارخانہ اسی طرح چلایا جاتا ہے۔ کہ جب وہ شخص آئے تو موافق حالات پاکر اس رُوحانی بادشاہت کو قائم کرے۔ جس بادشاہت کو قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ان کو مبعوث فرماتا ہے۔ جس طرح ایک معزز آدمی کے آنے سے پہلے شہر کو سجایا جاتا ہے۔ صفائیاں کی جاتی ہیں۔ چھڑکاؤ کئے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے پھاٹک کھڑے کئے جاتے ہیں۔ مکانوں میں سفیدیاں کرائی جاتی ہیں۔ اسیطرح ایسے کامل انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے۔ صفائی اور چھڑکاؤ کا طریق جاری رکھا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے جب وہ دنیا میں آتے ہیں۔ تو وہ کام جو دنیا کی نگاہوں میں ناممکن ہوتا ہے ممکن ہو جاتا ہے۔ آخر آپ لوگوں کو سوچنا چاہیئے۔ کہ وہ ہزاروں ہزار عیب اور وہ لاکھوں لاکھ نقص جو انسانوں کے دلوں میں پیدا ہو رہے تھے۔ اور وہ بے انتہا زنگ جو ان کے دماغوں کو لگ رہا تھا۔ اس کی موجودگی میں کس طرح خدا تعالیٰ نے آپ لوگوں کو جو اب لاکھوں کی تعداد میں ہیں اس تعلیم پر ایمان لانے کی توفیق بخشی۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے نازل ہوئی تھی اور جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر قسم کی گرد سے پاک کرکے پھر جلا بخشی تھی۔ اس کی یہی وجہ تھی کہ وہ علیم و خبیر خدا جو ہمیشہ سے جانتا تھا جانتا ہے۔ اور جانتا رہے گا۔ کہ اس زمانہ میں اس کا مسیح پیدا ہونے والا ہے وہ دنیا کے ذرہ ذرہ میں ایسی تحریک کر رہا تھا۔ اس وقت سے جب سے دنیا پیدا کی گئی بے انتہا

سال اس وقت سے پہلے۔ جبکہ انسان پہلے پہل دنیا پر ظاہر ہوا۔ کہ تمام دنیا میں ایسے تغیر پیدا ہوتے رہیں۔ کہ کروڑوں اور اربوں سالوں کے بعد جس وقت اس کا مسیح ظاہر ہو۔ تو کچھ دل ایسے تیار ہوں جو فوراً یا قریب کے عرصہ میں اس کی آواز پر لبیک کہیں۔ اور اپنے دلوں کے برتنوں کو اس کی تعلیم کا دودھ بھرنے کے لئے پیش کر دیں۔ پس مسیح موعودؑ کی بادشاہت بھی جس طرح ازلی ہے۔ اسی طرح ابدی ہے۔ اور یہی حال باقی تمام انبیاء کا ہے۔ جو شخص اس نکتے کو سمجھ لے وہی اس حدیث کو سمجھ سکتا ہے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ختم نبوت کے متعلق بیان فرمائی ہے۔ اور جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ اس کے سوا کوئی معنے کر کے دیکھ لو۔ یا ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہو جائیگی یا آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کی ہتک ہو جائے گی۔ یہی ایک معنے ہیں جو ایک طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت کو قائم کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف باقی انبیاء کی عظمت کو بھی قائم رکھتے ہیں۔

پس اے عزیزو۔ تمہارے لئے ازلی اور ابدی بادشاہت کے دروازے کھلے ہیں۔ تم میں سے جس میں ہمت ہو۔ اور جو موت کے دروازے میں سے گزر کر خدا میں محو ہونے کی طاقت رکھتا ہو۔ اُسے خوش ہونا چاہیئے۔ کہ اس کے لئے بھی وہی برکتیں اور وہی رحمتیں موجود ہیں۔ جو اُس سے پہلے لوگوں کے لئے موجود تھیں۔ ضرورت صرف قربانی کی ہے۔ اور تقویٰ کی ہے۔ جس کا دوسرا نام محبتِ الٰہی ہے۔ جس دل میں خدا کی محبت آگئی۔ باقی سب تفصیلیں اُس میں آجاتی ہیں۔ جس طرح خدا تمام چیزوں کا جامع ہے۔ یعنی ہر چیز اس کے علم میں ہے۔ اور ہر چیز اس کے قبضہ میں ہے۔ اور ہر چیز اس کی قدرت میں ہے۔ اسی طرح خدا کی محبت بھی جامع ہے۔ اُس میں بھی ہر چیز داخل ہوتی ہے۔ یعنی تمام وہ روحانی ضرورتیں۔ جو انسانی تکمیل کے لئے ضروری ہیں۔ محبتِ الٰہی میں سے آپ ہی آپ نکلتی آتی ہیں۔ پس خدا کی محبت پیدا کرو۔ اور محبت کا جو لازمی نتیجہ ہے۔ یعنے قربانی۔ اُس کے آثار دکھاؤ۔ تو تمہارے لئے بھی خدا کے فضل اُسی طرح ظاہر ہوں گے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کے لئے ظاہر ہوئے تھے۔ دنیا میں ایک طوفان بپا ہے۔ لوگ خدا کو بھول گئے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئی ہے۔ وہ چمکتا ہوا ستارہ جسے خدا نے دنیا کی ہدایت کے لئے پیدا کیا۔ لوگوں کی آنکھوں میں نور پیدا کرنے کی بجائے سر دست تو حاسدوں کے دلوں میں ایک انگارہ بن کر جل رہا ہے۔ یعنی خدا مسیح دنیا کی تضحیک اور اس کے تمسخر کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ایک بہت بڑا کام ہے۔ جو ہمارے سامنے ہے۔ ایک نئی دنیا کی تعمیر۔ ایک نئے آسمان اور زمین کی بنیاد۔ پس اپنی ہمتیں مضبوط کرو۔ اور ارادے کی کمر کس لو۔ اور اپنے اردگرد کے منافقوں کی طرف نگاہ مت ڈالو۔ کہ مومن منافق کو کھینچتا ہے۔ نہ کہ منافق مومن کو۔ جس دل میں ایمان ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ اگر اُسے آگ میں بھی ڈال دیا جائے۔ تو وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ یہ ادنیٰ درجہ کا ایمان ہے۔

پس آج میں اجمالی طور پر تحریک جدید کے تمام مطالبات کی طرف جماعت کو پھر بلاتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں۔ کہ اس پہلے درجہ کی آخری جماعت میں ہمارے دوست ایسے اعلیٰ نمبروں پر پاس ہوں گے۔ کہ خدا کے فضل ان پر بارش کی طرح نازل ہونے لگیں گے۔ اور دشمنوں کے دل مایوسی سے پُر ہو جائیں گے۔ اور منافقوں کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ جائے گی۔ ابھی بہت سا کام ہم نے کرنا ہے۔ اور یہ تو ابھی پہلا ہی قدم ہے۔ اگر اس قدم کے اٹھانے میں جماعت نے کمزوری دکھائی تو خدا کے کام تو پھر بھی نہیں رکیں گے۔ لیکن دشمن کو مسیح موعودؑ پر طعن کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اور ہر وہ گالی اور ہر وہ دشنام اور ہر وہ طعنہ جو مسیح موعودؑ کو یا ان کے سلسلہ کو دیا جائے گا۔ اس کی ذمہ واری انہی لوگوں پر ہوگی جو اپنے عمل کی کمزوری سے دشمن کو یہ موقع مہیا کر کے دیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت دی۔ تو آئندہ ہفتوں میں میں انشاء اللہ تعالیٰ پھر ایک دفعہ تفصیلی طور پر ان امور کی طرف توجہ دلاؤں گا۔ سر دست میں نے اجمالاً سب امور کی طرف توجہ دلا دی ہے۔ اور مالی حصہ تحریک کو میں آج ہی کے خطبہ کے ساتھ شروع کر دیتا ہوں۔ کیونکہ اس تحریک کے لئے دوستوں کو ہفتوں محنت کرنی پڑتی ہے اور بڑی مہلت درکار ہوتی ہے۔ پس اگر اس میں تعویق کی گئی۔ تو احباب کے لئے مشکلات پیدا ہوں گی۔ پس میں آج ہی اس امر کا اعلان کرتا ہوں۔ کہ یکم دسمبر سے تحریک جدید کے مالی حصے کی قسط سوم کا زمانہ شروع ہو جائیگا۔ اور میں دوستوں سے امید رکھتا ہوں۔ کہ جہاں تک ان سے ہو سکے۔ وہ پہلے سالوں سے بڑھ کر اس میں حصہ لینے کی کوشش کریں۔ کیونکہ مومن کا قدم پیچھے نہیں پڑتا۔ بلکہ اُسے جتنی قربانی پیش کرنی پڑتی ہے۔ اتنا ہی وہ اخلاص میں آگے بڑھ جاتا ہے۔ ہر وہ شخص جس نے ایک سال یا دو سال اس قربانی کی توفیق پائی۔ لیکن آج اس کے دل میں انقباض پیدا ہو رہا ہے۔ یا وہ اس بشاشت کو محسوس نہیں کرتا۔ جو گذشتہ یا گذشتہ سے پیوستہ سال میں اس نے محسوس کی تھی۔ اسے میرے سامنے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اپنے دوستوں کے سامنے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کے سامنے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اسے چاہیئے کہ خلوت کے کسی گوشہ میں اپنے خدا کے سامنے اپنے ماتھے کو زمین پر رکھ دے۔ اور جس قدر خلوص بھی اس کے دل میں باقی رہ گیا ہو اس کی مدد سے گریہ وزاری کرے یا کم سے کم گریہ زاری کی شکل بنائے۔ اور خدا تعالیٰ کے حضور میں جھک کر کہے۔ کہ اے میرے خدا! لوگوں نے بیج بوئے اور ان کے پھل تیار ہونے لگے۔ وہ خوش ہیں۔ کہ ان کے اور ان کی نسلوں کے فائدہ کے لئے روحانی باغ تیار ہو رہے ہیں۔ پر اے میرے ربّ! میں دیکھتا ہوں کہ جو بیج میں نے لگایا تھا۔ اس میں تو کوئی روئیدگی بھی پیدا نہیں ہوئی۔ نہ معلوم میرے کبر کا کوئی پرندہ اسے کھا گیا۔ یا میری وحشت کا کوئی درندہ اسے پاؤں کے نیچے مسل گیا۔ یا میری کوئی مخفی شامتِ اعمال ایک پتھر بن کر اس پر بیٹھ گئی۔ اور اس میں سے کوئی روئیدگی نکلنے نہ دی۔ اے خدا میں اب

کیا کروں۔ کہ جب میرے پاس کچھ تھا میں نے بے احتیاطی سے اُسے اس طرح خرچ نہ کیا کہ نفع اٹھاتا۔ مگر آج تو میرا دل خالی ہے۔ میرے گھر میں ایمان کا کوئی دانہ نہیں کہ میں بوؤں۔ اے خدا میرے اسی ضائع شدہ بیج کو پھر مہیا کر دے اور میری کھوئی ہوئی متاعِ ایمان مجھے واپس عطا کر۔ اگر میرا ایمان ضائع ہو چکا ہے تو اپنے خزانے سے اور اپنے ہاتھ سے اپنے اس دھتکارے ہوئے بندہ کو ایک رحمت کا بیج عطا فرما۔ کہ میں اور میری نسلیں تیری رحمتوں سے محروم نہ رہ جائیں۔ اور ہمارا قدم ہمارے سچی اور اعلیٰ قربانی کرنے والے بھائیوں کے مقام سے پیچھے ہٹ کر نہ پڑا ہے۔ بلکہ تیرے مقبول بندوں کے کندھوں کے ساتھ ہمارے کندھے ہوں۔ اے خدا بہت ہیں جو اعمال کے زور سے تیرے فضلوں کو کھینچ لائے۔ پر ہم کیا کریں کہ ہمارے اعمال بھی اُڑ گئے۔ کیا تیرا رحم۔ کیا تیرا بے انتہا رحم غیرت میں نہ آئے گا۔ اور ہم جیسے کچھ بندوں کو بے عمل ہی اپنی فضل کی چادر میں نہ چھپائے گا۔ پس تم اس طرح خدا کے سامنے زاری کرو۔ تاکہ تمہارے دلوں کے زنگ دُور ہو جائیں۔ اور تمہاری مردہ رُوح پھر زندہ ہو جائے۔ اور تم کو پہلے سے بڑھ کر قربانیوں کی توفیق ملے۔ اور تمہارے عمل کا نتیجہ پہلے سالوں سے بھی زیادہ دشمن کے لئے حسرت اور یاس کا موجب بنے۔ اگر تم سچے دل سے خدا کی طرف جھکو گے۔ تو وہ یقیناً تمہارے دلوں کو کھول دے گا۔ اور تم پر یہ ظاہر ہو جائے گا۔ کہ خدا اور اس کے دین کے لئے۔ جن قربانیوں کے لئے میں تم کو بلاتا ہوں۔ انہی میں اسلام کی بہتری ہے۔ اور انہی میں اسلام کی شوکت ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ وہ اپنی قربان گاہ پر مسیح محمدی کے بڑوں کی قربانی کرے۔ اور ان کے خون کو اسلام کی خشک شدہ انگور کی بیل کی جڑ میں ڈالے۔ تاکہ وہ پھر ہری ہو جائے۔ اور پھر اس میں خدا کے فضل کے انگور لگنے لگ جائیں۔ اگر تم میں سے کسی نے انجیل پڑھی ہو۔ تو اس کو معلوم ہوگا۔ کہ روحانی بادشاہت کو انگور کے باغوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور انگور کی ہی بیل ایک ایسی بیل ہوتی ہے۔ جس کو سرسبز و شاداب کرنے کے لئے خون کی کھاد ڈالی جاتی ہے۔ پس اس مثال میں اسی طرف اشارہ تھا کہ خدا کے دین کو تازہ کرنے کے لئے ہمیشہ انسانی قربانیوں کی ضرورت ہو گی۔ اور انسانوں کے خون اس باغ کی جڑوں میں گرا کر اسے پھر زندہ اور شاداب کیا جائے گا۔

پس اے دوستو آؤ کہ ہماری جانیں اسلام کے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں رکھتیں۔ ہم میں سے ہر ایک شخص خواہ اس کو مال ملا ہے یا نہیں ملا۔ اپنی اپنی توفیق کے مطابق خدا کے سامنے اپنی قربانی پیش کر دے۔ اور اس قربانی کو پیش کرنے کے بعد ایک مُردے کی طرح الٰہی آستانہ پر گر جائے یہ کہتے ہوئے کہ اے میرے اے میرے خدا میری اس حقیر نذر کو قبول کر۔ اور مجھے اپنے دروازے سے مت دھتکار۔ اَللّٰهُمَّ اٰمِيْن ثُمَّ اٰمِيْن۔

کلکتہ سے قادیان تک پیادہ پا

شوق و محبت کی داستان۔ پُرخطر جنگلوں کا سفر۔ درندہ صفت انسانوں سے واسطہ

ایک احمدی سیاح کی ڈائری

(گذشتہ سے پیوستہ)

مجھے تین خواب آئے۔ اور احمدیت کی سچائی ظاہر ہو گئی۔

تب میں نے انہیں خط لکھا۔ کہ اب میں قادیان جاؤں گا۔ سنور میں مجھ سے احمدی احباب نے دریافت کیا کہ تم پیدل کیوں آئے ہو۔ تو میں نے انکو یہ نہیں بتایا کہ میرے پاس روپیہ نہیں تھا اس لئے پیدل آیا۔ کیونکہ شرم محسوس ہوتی تھی۔ میں نے یہی جواب دیا کہ سیر کرنے کو طبیعت چاہتی تھی اس لئے پیدل آیا۔ سنوری احمدیوں کے اخلاق دیکھ کر احمدیت کی سچائی اور بھی راسخ ہو گئی۔ اور دل میں ارادہ تھا کہ کچھ عرصہ اور یہیں قیام کروں۔ مگر اس کے بعد میں نے ایک خواب دیکھا۔ جس نے مجھے وہاں سے چلنے پر مجبور کر دیا۔

۲۸ جولائی کو میں سنور سے روانہ ہوا۔ چلتے وقت ڈاکٹر صاحب کے لڑکے نے مجھے ریل کا کرایہ بھی دیدیا تھا۔ پہلے تو میں دعا کرتا تھا کہ خدایا اگر یہ سلسلہ سچا ہے تو مجھے قادیان پہنچا دینا۔ ورنہ کسی اور راستہ پر ڈال دینا۔ مگر اب جبکہ احمدیت کی صداقت دل میں گھر کر چکی تھی میں یہ دعا کرنے لگا۔ کہ خدایا تو مجھے ایک دفعہ زندہ قادیان پہنچا دیجیو۔ اگرچہ میرے پاس ریل کا کرایہ موجود تھا مگر میں نے سوچا کہ ایک ہزار میل سے زیادہ فاصلہ تو پیدل طے کر لیا ہے۔ اب تھوڑا سا فاصلہ رہ گیا ہے اسے بھی پیدل ہی طے کروں گا۔

راجپورہ اور پٹیالہ کے درمیان مجھے پیاس نے بہت ستایا میں ایک باغ میں گیا۔ وہاں چند مسلمان بیٹھے تھے۔ میں نے پانی مانگا۔ تو انہوں نے پوچھا تو کون ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ کہ مسلمان ہوتا ہوں۔ پھر انہوں نے سوال کیا کہ کون مسلمان مرزائی تو نہیں۔ میں نے کہا میں نہیں جانتا کہ مرزائی کیا ہوتا ہے تب انہوں نے پانی پینے کی اجازت دی۔ شام کو میں سنور سے ۴۴ میل کے فاصلہ پر شام نگر میں رات کو ٹھہرا۔

نوٹ:۔ آئندہ فاصلہ سنور سے شمار کیا جائے گا۔

۲۹ جولائی کی شام کو آگے روانہ ہوا۔ اور صبح کو سرہند پہنچا۔ اور حضرت مجدد الف ثانی کا مزار دیکھا۔ پھر وہاں سے آگے روانہ ہوا۔ اور قریباً تین ساڑھے تین بجے کھنے پہنچا۔ جو کہ سنور سے ۷۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ راستے میں میں نے ایک جبہ پوش مسلمان سے کسی مسجد کا پتہ پوچھا۔ اس نے کہا کہ تم مسجد کو کیا کرو گے۔ میں نے جواب دیا۔ کہ مسافر ہوں تھوڑی دیر آرام کرونگا۔ اس نے کہا کہ مسجد سے چلے جاؤ۔ غرض میں تقریباً چوتھائی میل آگے گیا اور پھر ایک اور آدمی سے مسجد کی بابت دریافت کیا۔ تو اس نے بتایا۔ کہ مسجد تو تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ جب میں اس مسجد میں پہنچا۔ تو دیکھا۔ کہ وہی جبہ پوش مسلمان اسی مسجد کا امام تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کا رنگ فق ہو گیا۔ مگر میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ کیونکہ رات وہیں گذارنی تھی۔ میں رات کو وہیں رہا۔

غیر احمدی دشمن کے اخلاق کا نمونہ

۳۰ جولائی کو کھنے سے روانہ ہو کر رات کو لدھیانہ پہنچا۔ مجھے سنور سے معلوم ہوا تھا کہ لدھیانہ میں انجمن احمدیہ ہے۔ میں نے ایک شخص سے انگریزی میں دریافت کیا کہ انجمن احمدیہ کہاں ہے۔ تو اس نے بتایا کہ وہ تو جہنم میں گئی کیا تم بھی وہاں جاؤ گے۔ بہتر ہے کہ جہاں سے آئے ہو وہیں چلے جاؤ۔ پھر میں نے کسی اور سے نہیں پوچھا۔ اور آگے روانہ ہوا۔ اور لدھیانہ سے دو میل کے فاصلہ پر ایک مسجد ملی۔ مگر کسی نے ٹھہرنے نہ دیا۔ پھر میں اور آگے روانہ ہوا۔ اور اسی رات کو پھلور پہنچا۔ اور رات آرام سے

بیرکی بھلور سنور سے ۸۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔

۳۱ جولائی کو چونکہ جمعہ تھا۔ اور میں تھک بھی گیا تھا۔ اس لئے بھاؤنی ٹھہر رہا۔ جمعہ کے بعد مسجد کے حجرے کے پاس بیٹھ کر اردو کی ایک کتاب پڑھنے لگا۔ تو امام مسجد نے تعجب سے پوچھا۔ کہ تم اردو بھی جانتے ہو۔ اور اس طرف جا رہے ہو۔ کہیں قادیانی نہ ہو جانا۔ اور پھر بڑھتے بڑھتے گندہ دہنی پر اتر آیا۔ تو میں تنگ آ کر وہاں سے چلا۔ اور چار میل کے فاصلہ پر ایک مسجد ملی۔ مگر وہاں بھی امام سے ایسی ہی بات بڑھ گئی۔ وہاں سے بھی آگے چلا اور رات کو تلطے والی ایک گاؤں میں جو سنور سے ۸۷ میل کے فاصلہ پر ہے ٹھہرا

یکم اگست ۱۹۳۶ء کو جالندھر چھاؤنی کے پاس ایک چھوٹی سی بستی دو کوہا میں پہنچا۔ اور رات وہاں ٹھہرا۔ رات کو وقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے میں رات کو ہی روانہ ہو گیا۔ جب جالندھر چھاؤنی پہنچا تو ایک پولیس مین نے پکڑ لیا۔ اور تنگ کرنے لگا۔ آخر میں نے انگریزی میں گفتگو کی تو قدرے نرم ہو گیا۔ اور مجھے چھوڑ دیا۔ میں جالندھر چھاؤنی اور جالندھر شہر کے درمیان سڑک پر ہی سو گیا۔ اور صبح کو جالندھر شہر میں داخل ہوا۔

۲ اگست کی شام کو کرتار پور اور بیاس کے درمیان ایک گاؤں میں ٹھہرا۔ جس کا نام کسی ملازمی کے نہ ملنے کی وجہ سے دریافت نہ کر سکا۔

۳ اگست کو دس گیارہ بجے رعیہ پہنچا۔ سنور میں میں نے ایک آدمی سے سنا تھا کہ رعیہ کی نہر کے کنارے کنارے جانے سے آگے ریل کا پل لے گا۔ اگر پل پر بائیں ہاتھ جائیں تو تین میل کے فاصلہ پر قادیان ہے۔ رعیہ کی نہر کے کنارے ایک سکھ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اس پر اپنا آپ ایک سیاح کی حیثیت سے ظاہر کیا۔ اور پوچھا کہ اگر فلاں طرف جائیں تو کون سا شہر آئے گا۔ اور فلاں طرف جانے سے کونسا شہر ملے گا۔ اس نے بتایا کہ اس طرف امرتسر ہے اس طرف بٹالہ ہے۔ اور اس طرف قادیان ہے۔ میں نے اس کی ملامت کے خوف سے کہا کہ میں قادیان نہیں جاؤں گا۔ تب اس نے یہ سنا۔ تو میری بڑی خاطر کی۔ اور کہا کہ ابھی ٹھہرو اور کل بٹالہ چلے جاؤ۔ جب وہ کھانا کھلا کر چلا گیا۔ تو میں قادیان کی سمت روانہ ہوا۔ کیونکہ مجھے قادیان پہنچنے کی بڑی خواہش تھی۔ اور ایک ایک دن ایک ایک برس کا معلوم ہوتا تھا۔

کرتار پور یا پھگواڑا میں (یہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں) مسجد کے ساتھ ہی احرار کا ایک دفتر ہے۔ بڑا شاندار سائن بورڈ لگا ہوا ہے۔ میں ان کی حالت دیکھنے کے لئے دفتر احرار میں چلا گیا۔ ظہر کی نماز کا وقت تھا۔ دفتر مسجد سے ملحق ہے۔ مگر ان میں سے ایک بھی نماز کے لئے نہیں اٹھا۔ اور گپیں ہانکتے رہے یا تاش کھیلتے رہے۔ ایک اندھا کہیں سے آگیا تھا۔ ایک میں تھا۔ اور ایک اور مسافر تھا۔ ہم تینوں نے نماز پڑھی اور کسی نے اذان تک نہیں دی۔

رعیہ سے روانہ ہو کر میں نہر کے کنارے کنارے چلا۔ اور شام کے وقت ایک گاؤں گگڑ بھجانہ میں پہنچا۔ وہاں کے آدمیوں نے پوچھا کہ کہاں جاؤ گے۔ میں نے کہا بٹالہ جاؤں گا۔ وہ کہنے لگے کہ بٹالہ کا راستہ تو تم پیچھے چھوڑ گئے ہو۔ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں تھا۔ اب صبح کو واپس جاؤں گا۔ اس رات کو بھی میں سویا نہیں۔ نیند نہیں آتی تھی۔ آخر میں نہر کے کنارے کنارے روانہ ہو گیا چاندنی رات تھی۔ تقریباً تین بجے کا وقت ہو گا۔ کہ راستے میں مجھے نیند آگئی۔ اور میں وہیں سڑک پر ہی سو گیا۔ اور صبح کو پھر روانہ ہوا۔ اسی اثناء میں یکایک سخت بارش شروع ہو گئی۔ اور میرے تمام کپڑے بھیگ گئے۔ کلکتہ سے لے کر اس وقت تک جب سے میں نے سفر شروع کیا۔ باوجود برسات کا موسم ہونے کے میں کہیں نہیں بھیگا۔ اور نہ بارش کے وقت کسی گھر میں پناہ لینے کے لئے گیا۔ دہلی اور آگرہ کے درمیان میں میں رات کو ایک جگہ سویا ہوا تھا۔ صبح کو اٹھ کر جب میں آگے روانہ ہوا۔ تو میں نے دیکھا کہ چند سو گز کے فاصلہ پر کافی بارش ہوئی تھی۔ یہ بھی احمدیت کا ایک معجزہ ہی ہے۔ کیونکہ اگر میں بھیگ جاتا۔ تو بڑی سخت تکلیف ہوتی۔ اس لئے کہ میرے پاس اور کوئی کپڑا نہ تھا۔

قادیان

جب میں ریلوے پل کے پاس پہنچا۔ تو

بائیں طرف منارۃ المسیح دکھائی دیا

جس کو دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ اور اس طرح میں مورخہ ۴ اگست ۱۹۳۶ء کو قریباً گیارہ بجے قادیان دارالامان پہنچ گیا۔

الحمد للہ علیٰ ذالک۔

آگرہ اور قادیان کے درمیان کئی جگہ مخالفوں کی گفتگو سننے کا موقع ملا۔ اور جوں جوں قریب ہوتا گیا۔ مخالفت ترقی کرتی گئی۔ بہار سے یوپی میں مخالفت زیادہ ہے۔ اور یوپی سے پنجاب میں زیادہ ہے۔

(مطبوعہ اللہ بخش سٹیم پریس قادیان)